مقالات مفتی محمودؒ سیمپوزیم جون ۱۹۹۶ء

ترتیب و تقدیم

محمد فاروق قریشی

مفتی محمودؒ اکیڈمی پاکستان (کراچی)

اللّٰھم

صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد

کما صلیت علیٰ ابراہیم وعلیٰ آل ابراہیم

انک حمید مجید

اللّٰھم

بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد

کما بارکت علیٰ ابراہیم وعلیٰ آل ابراہیم

انک حمید مجید

سلسلہ اشاعت	:	۵
اشاعتِ اول	:	ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ/دسمبر ۲۰۰۵ء
نام کتاب	:	تذکارِ محمودؒ
مرتب	:	محمد فاروق قریشی
کمپوزنگ	:	حامد احمد شرفی
صفحات	:	۳۲۰
مطبع	:	الحرن پرنٹرز۔کراچی
قیمت	:	200/=

ناشر

مفتی محمود اکیڈمی۔پاکستان

کراچی

ملنے کے پتے

۱۔مکتبۂ رشیدیہ نزد مقدس مسجد، اردو بازار۔کراچی

۲۔اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن۔کراچی

۳۔مکتبۂ قاسمیہ، اردو بازار۔لاہور

۴۔جمعیت پبلی کیشنز، وحدت روڈ۔لاہور

انتساب

افکارِ محمودؒ کے امین، مفتی محمودؒ اکیڈمی کے نگرانِ اوّل

فقیہ ملت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کے نام

؎ اک ولولۂ تازہ دیا جس نے دلوں کو

یہ تھا کہ اپوزیشن نے ۲۰/ اکتوبر کے سمجھوتے سے انحراف کیا ہے۔ اس آئینی سمجھوتے میں طے پایا تھا کہ

(الف) مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا۔

(ب) ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔

(ج) صدر مسلمان ہوگا اور صدر کے عہدے کا حلف لیتے وقت اس بات کا بھی حلف اٹھائے گا کہ وہ مسلمان ہے۔

(د) اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے۔

(ہ) عدلیہ اور چیف الیکشن کمشنر انتظامیہ سے آزاد ہوں گے۔

(و) وفاقی پبلک سروس کمیشن میں ہر صوبے کے نمائندے ہوں گے، جن کا تقرر صدر مملکت صوبائی حکومتوں کی سفارش پر کریں گے۔

(ز) سرکاری ملازموں کی ملازمت کا تحفظ آئین میں شامل نہیں ہوگا۔ یہ تحفظ قانون کے تحت ہوگا جیسا کہ دوسرے ملکوں میں ہوتا ہے۔

(ح) آئین میں ترمیم قومی اسمبلی کے دو تہائی ارکان کی تائید سے ہو سکے گی۔ اور اس کے بعد سینیٹ میں سادہ اکثریت سے اس کی توثیق لازمی ہوگی۔

(ط) آئین میں شہریوں کے بنیادی حقوق کی ضمانت شامل ہوگی۔

(ی) شہریوں کو بلا جواز احتناعی نظر بندی کے خلاف تحفظ دی جائے گا۔

(ک) قومی اسمبلی کے ارکان کی تعداد دو سو دس (۲۱۰) ہوگی جس میں دس خواتین شامل ہوں گی جنھیں اسمبلی کے باقی ارکان منتخب کریں گے۔

(ل) سینیٹ کے ارکان کی تعداد ساٹھ (۶۰) ہوگی جس میں ہر صوبے کے چودہ چودہ نمائندہ ہوں گے، اسلام آباد کے وفاقی علاقے کے دو اور قبائلی علاقوں کے دو ارکان سینیٹ کے رکن ہوں گے۔

اس آئینی سمجھوتے پر پارلیمانی پارٹیوں کے نمائندوں (۱) ذوالفقار علی بھٹو

(پیپلز پارٹی) (۲) عبدالقیوم خان (مسلم لیگ قیوم گروپ) (۳) غوث بخش بزنجو اور ارباب سکندر خان خلیل (نیپ) (۴) مولانا مفتی محمود (جمعیت علمائے اسلام) (۵) سردار شوکت حیات (کونسل مسلم لیگ) (۶) میجر جنرل جمال دار خان (قبائلی ارکان) (۷) مولانا شاہ احمد نورانی (جمعیت علمائے پاکستان) (۸) پروفیسر غفور احمد (جماعت اسلامی) اور (۹) سردار شیر باز خان مزاری (آزاد ارکان) کے دستخط تھے۔

لیکن اب حکومت اپوزیشن کو اس معاہدے سے انحراف کا الزام دے رہی تھی۔ اس موقع پر تمام پارلیمانی پارٹیوں کے راہ نماؤں کو ریڈیو اور ٹی وی پر اپنا مؤقف پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ مولانا مفتی محمود نے اس موقع پر جو معرکۃ آرا تقریر کی اور جس طرح انٹرویو لینے والے کو صحیح اور مدلل جوابات دیے۔ وہ مفتی صاحب کی آئینی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دستور کے پر پیچ اور آئینی مندرجات پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ آئینی بحث پر یہ اس شخص کے خیالات ہیں جس نے ایک دن کے لیے بھی کسی لاء کالج یا یونی ورسٹی سے قانون یا سیاسیات کا درس نہیں لیا ہے۔ بلکہ ساری عمر مدرسہ اور مسجد کی چٹائی اس کا اوڑھنا بچھونا رہی ہے۔

بہر حال کافی بحث و تمحیص کے بعد حکومت نے اپوزیشن کے چند اہم مطالبات تسلیم کر لئے اور بعض مطالبات سے اپوزیشن دست بردار ہوئی اور اس طرح ۱۰/ اپریل ۱۹۷۳ء کو اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک آئین منظور کر لیا۔ جس کو ۱۹۷۳ء کا آئین پاکستان کہا جاتا ہے۔ یہ پاکستان کا پہلا وفاقی آئین تھا۔ جسے عوام کے منتخب نمائندوں نے تشکیل دیا اور جس میں سابقہ تمام دساتیر کی نسبت اسلام کے اصولوں کو زیادہ سے زیادہ جگہ ملی۔ نیز صوبائی خودمختاری کا مسئلہ بھی بالاتفاق طے ہو گیا۔

قادیانی مسئلے کا آئینی حل:

حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم و مغفور کا بحیثیت پارلیمانی لیڈر سب سے شاندار کارنامہ مرزائیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا ہے۔ اور اللہ رب العزت

جب کسی سے کام لینا چاہے۔ تو انتظام بھی فرما دیتے ہیں۔ قادیانیوں کی پاکستان اور اسلام دشمن سرگرمیوں کے باعث مسلمانانِ پاکستان پہلے ہی برانگیختہ تھے۔ مئی ۱۹۷۴ء کے آخری دنوں میں منہ زور قادیانیوں نے ربوہ ریلوے اسٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے مسلمان طلبہ پر تشدد کیا، یہ جس میں چنگاری ڈالنے والی بات تھی۔ ملک بھر میں اس کا شدید ردعمل ہوا۔ چند ہی دنوں میں قادیانیوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ ۱۹۵۳ء میں ناموس رسالت کے مسئلے پر دس ہزار پاکستانی مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ غالباً ان کا خون رنگ لایا تھا اور قدرت کو یہی منظور تھا۔ وہ مسئلہ جس پر ہزاروں جانیں قربان ہوئی تھیں۔ ہزاروں لوگ جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر چکے تھے۔ مفتی محمودؒ کی مدبرانہ اور عالمانہ سیاست کی وجہ سے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر کامیابی سے حل ہونے پر منتج ہوتا ہے۔ اور جب حکومت نے دیکھا کہ یہ سیل بے پناہ کسی بھی طرح نہیں تھمتا تو وہ اس مسئلہ کو قومی اسمبلی میں لے گئی۔

مولانا مفتی محمود صاحب نے اس موقع پر اسمبلی کے اندر اور باہر جس محنت، لگن، اور تدبر سے یہ معرکہ سر کیا حقیقت میں انہی کا حق تھا۔ اور بلاشبہ اس پر وہ پوری ملت اسلامیہ کے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو حزب اختلاف کے ۳۷ ارکان نے جن میں سر فہرست مولانا مفتی محمود کا نام تھا یہ قرارداد ایوان میں پیش کی۔

جناب اسپیکر .... قومی اسمبلی پاکستان

محترمی!

ہم ذیل تحریک پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قادیان کے مرزا غلام احمد نے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نیز ...... نبی ہونے کا اس کا جھوٹا اعلان قرآن پاک کی بہت سی آیتوں کو جھٹلانے اور جہاد کو ختم کرنے کی اس کی کوششیں اسلام کے بڑے بڑے احکامات کے خلاف غداری تھیں۔ وہ سامراج کی پیداوار تھا۔

اور اس کا واحد مقصد مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ کرنا اور اسلام کو جھٹلانا تھا۔ پوری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار چاہے وہ مرزا غلام احمد مذکور کی نبوت کا یقین رکھتے ہوں۔ یا اسے اپنا مذہبی مصلح یا مذہبی راہ نما، کسی بھی صورت میں گردانتے ہوں۔ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ان کے پیروکار چاہے انھیں کوئی بھی نام دیا جائے۔ مسلمانوں کے ساتھ گھل مل کر اور اسلام کا ایک فرقہ ہونے کا بہانہ کر کے اندرونی اور بیرونی طور پر تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

عالمی مسلم تنظیموں کی ایک کانفرنس جو مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر انتظام ۶ رتا ۱۰ اراپریل ۱۹۷۴ء کو منعقد ہوئی۔ اور جس میں دنیا بھر کے تمام حصوں سے ۱۴۰ مسلمان تنظیموں اور اداروں کے وفود نے شرکت کی۔ متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی گئی کہ قادیانیت اسلام اور عالم اسلام کے خلاف ایک تخریبی تحریک ہے۔ جو ایک اسلامی فرقہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔

اب اس اسمبلی کو یہ اعلان کرنے کی کارروائی کرنی چاہیے کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار انھیں چاہے کوئی بھی نام دیا جائے مسلمان نہیں۔ اور یہ کہ قومی اسمبلی میں ایک سرکاری بل پیش کیا جائے، تاکہ اس اعلان کو موثر بنانے کے لیے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ان کے جائز حقوق و مفادات اور تحفظ کے لیے احکام وضع کرنے کی خاطر آئین میں مناسب اور ضروری ترمیمات کی جائیں۔

یکم جولائی ۱۹۷۴ء کو اس مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لیے اور کوئی حل تجویز کرنے کی غرض سے قومی اسمبلی کے تمام ارکان پر مشتمل خصوصی کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا۔ ایک راہ بر کمیٹی قائم ہوئی۔ ''حزب اختلاف'' نے راہ بر کمیٹی کی معرفت تجویز کیا کہ چوں کہ اس معاملے کا ایک فریق قادیانی ہیں۔ لہٰذا انھیں بھی اسمبلی میں بلانا چاہیے اور ان کے دلائل سننے چاہئیں۔ تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے دلائل سنے بغیر فیصلہ کیا گیا ہے۔ حزب اختلاف کی اس تجویز پر قادیانی سربراہ مرزا ناصر احمد اور لاہوری پارٹی کے سربراہ کو اسمبلی میں طلب کیا گیا۔ مرزا ناصر احمد شلوار کرتے میں

ملبوس سفید طرے دار پگڑی باندھ کر آیا۔ متشرع سفید داڑھی، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی زبان پر لاتے تو پورے ادب کے ساتھ درود شریف پڑھتے۔ قرآن مجید کی آیت بھی پڑھ لیتے۔ سادہ لوح ارکان اسمبلی اس پر بڑے مخمصے میں پڑے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ داڑھی والے سفید پگڑی والے جو درود بھی بھیجتے ہیں۔ آیتیں بھی پڑھتے ہیں یہ کیسے کافر ہو سکتے ہیں؟ ایسے ماحول میں ارکان اسمبلی کے ذہنوں کو تبدیل کرنا آسان کام نہ تھا۔ بلکہ یہ ایک کٹھن کام تھا۔ خود مفتی صاحب ماہ نامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک کے شمارہ جنوری ۱۹۷۵ء کے صفحہ نمبر ۱۴ پر بیان فرماتے ہیں۔

''یہ مسئلہ بہت بڑا اور مشکل تھا۔''

اب رب کائنات کی شان دیکھیے کہ پورے ایوان پر مشتمل اس خصوصی کمیٹی کے روبرو حزب اختلاف کی ترجمانی کا شرف مفتی صاحب کو عطا کیا۔ جنھوں نے راتوں کو جاگ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابیں مطالعہ کیں۔ حوالے نوٹ کیے اور پھر سوالات کو ترتیب دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب مرزا غلام احمد کے طویل بیان کے بعد جرح کا آغاز ہوا۔ تو ماہ نامہ مذکورہ بالا کے مطابق بقول مفتی صاحب:

''ہمارا کام پہلے ہی دن بن گیا۔''

مرزا ناصر احمد پر جرح:

اُس روز قومی اسمبلی میں نمائندگان اسلام اور نمائندگان ارتداد کے مابین جو سوال و جواب ہوئے ان کی ایک جھلک آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ سوال مفتی صاحب کرتے تھے اور جواب مرزا ناصر احمد دیتا تھا۔

سوال: مرزا غلام احمد کے بارے میں آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

جواب: وہ اُمتی نبی تھے۔ اُمتی نبی کا معنی یہ ہے کہ اُمت محمدیہ کا فرد جو آپ کے کامل اتباع کی وجہ سے نبوت کا مقام حاصل کر لے۔

سوال: اس پر وحی بھی آتی تھی؟

جواب: آتی تھی۔

سوال: خطا کا کوئی احتمال؟

جواب: بالکل نہیں۔

سوال: مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ جو شخص مجھ پر ایمان نہیں لاتا ''خواہ اس کو میرا نام نہ پہنچا ہو'' کافر ہے۔ پکا کافر۔ دایرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس عبارت سے تو ستر کروڑ مسلمان سب کافر ہیں؟

جواب: کافر تو ہیں۔ لیکن چھوٹے کافر ہیں، جیسا کہ امام بخاری نے اپنے صحیح میں ''کفر دون کفر'' کی روایت درج کی ہے۔

سوال: آگے مرزا نے لکھا ہے۔ پکا کافر؟

جواب: اس کا مطلب ہے اپنے کفر میں پکے ہیں۔

سوال: آگے لکھا ہے دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ حال آں کہ چھوٹا کفر ملت سے خارج ہونے کا سبب نہیں بنتا ہے؟

جواب: دراصل دایرہ اسلام کے کئی دوایر ہیں۔ اور مختلف کیٹی گریاں (Categrces) ہیں۔ اگر بعض سے نکلا ہے تو بعض سے نہیں نکلا ہے۔

سوال: ایک جگہ اس نے لکھا ہے کہ جہنمی بھی ہے؟

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ممبروں نے جب یہ سنا تو سب کے کان کھڑے ہوگئے کہ اچھا ہم جہنمی ہیں۔ اس سے ممبروں کو دھچکا لگا۔ وہ سمجھ گئے کہ ہم تو انھیں مسلمان کہتے ہیں اور وہ ہمیں کافر قرار دیتے ہیں۔ ادھر نیا سوال آیا کہ مرزا قادیانی سے پہلے کوئی نبی آیا ہے جو اُمتی نبی ہو؟ کیا صدیق اکبرؓ یا حضرت عمر فاروقؓ اُمتی نبی تھے۔ جواب تھا...... نہیں۔

اس پر مفتی صاحب نے کہا پھر تو اس کے مرنے کے بعد آپ کا اور ہمارا عقیدہ ایک ہوگیا۔ جو ہمارا تصور ہے۔ خاتم النبیین کے متعلق وہی آپ کا بھی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم سمجھتے ہیں۔ تم مرزا قادیانی کے بعد

ایسا سمجھتے ہو۔ تو گویا تمہارا خاتم النبیین مرزا غلام احمد ہے۔ اور ہمارے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مرزا ناصر: وہ فنافی الرسول تھے۔ یہ ان کا اپنا کمال تھا۔ وہ تو عین محمد ہو گئے تھے (معاذ اللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے زیادہ توہین کیا ہو سکتی تھی۔ منکروں کو "ذریة البغایا" کہنے کی بات بھی ہوئی۔

مفتی صاحب نے کہا: مرزا قادیانی نے اپنے کتابوں کے بارے میں لکھا ہے:

تلك كتب ينظر اليها كل مسلم بعين المحبته والمودة وينتفع من معارفها ويقلبنى دعوتى الا ذرية البغايا الذين ختم الله على قلوبهم فهم لايقبلون.

"ان کتابوں کو ہر مسلم محبت ومودت کی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے اور ان کے معارف سے نفع اٹھاتا ہے، مجھے قبول کرتا ہے اور دعوے کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر بدکار عورتوں کی اولاد، وہ لوگ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے۔ وہ مجھے قبول نہیں کرتے۔"

مرزا ناصر: بغایا کے معنی سرکشوں کے ہیں۔

مفتی صاحب: بغایا کا لفظ قرآن پاک میں آیا ہے۔

وَمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا. (سورۂ مریم:۲۸)

"اور تیری ماں بدکارہ نہ تھیں۔"

مرزا ناصر: قرآن میں بغیا ہے بغایا نہیں۔

مفتی صاحب: صرف مفرد اور جمع کا فرق ہے، نیز جامع ترمذی شریف میں اس مفہوم میں لفظ بغایا بھی مذکور ہے یعنی البغايا اللاتى ينكحن انفسهن بغير بينة. میں تمھیں چیلنج کرتا ہوں۔ کہ تم اس لفظ "بغیه" کا استعمال اس معنی (بدکارہ) کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں ہرگز نہیں دکھا سکتے۔

یہ جرح تیرہ روز تک جاری رہی۔ گیارہ دن ربوہ گروپ پر جو مرزا قادیانی کو نبی

تسلیم کرتا ہے اور دو دن لاہوری گروپ پر جو مرزا قادیانی کو مجدد مانتا ہے۔ ہر روز آٹھ گھنٹے جرح ہوئی۔ اس طویل جرح وتنقید نے قادیانیت کے بھیانک چہرے کو بے نقاب کر دیا۔ حزب اختلاف نے "ملتِ اسلامیہ کا مؤقف" کے عنوان سے دو سو صفحات پر مشتمل ایک مطبوعہ دستاویز ارکانِ اسمبلی میں تقسیم کی۔ شہنشاہ حقیقی نے اپنے خصوصی فضل ورحمت کے ساتھ ایسی کایا پلٹی کہ ممبران قومی اسمبلی قادیانیت کا کماحقہ احتساب کرنے پر تل گئے۔ اور انھوں نے مسٹر بھٹو کو صاف صاف لفظوں میں بتا دیا کہ بے شک آپ ہمارے سیاسی لیڈر ہیں۔ لیکن یہ معاملہ خالص دین ومذہب کا ہے۔

۲۲ر اگست ۱۹۷۴ء کو حزب اختلاف کے چھ راہ نماؤں کی جو کہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ، پروفیسر غفور احمد، مولانا شاہ احمد نورانی، چوہدری ظہور الٰہی، مسٹر غلام فاروق اور سردار مولا بخش سومرو اور حزب اقتدار کے عبدالحفیظ پیرزادہ پر مشتمل ایک سب کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ سب کمیٹی کے ذمے یہ کام لگا کہ وہ مذاکرات اور افہام وتفہیم کے ذریعے قادیانی مسئلے کا حل متفقہ طور پر تلاش کرے۔ ۲۲ر اگست سے ۵ر ستمبر کی شام تک اس کمیٹی کے بہت سے اجلاس ہوئے مگر متفقہ حل کی صورت گری ممکن نہ ہو سکی۔ سب سے زیادہ جھگڑا دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم کے مسئلے پر ہوا۔ اس دفعہ کے تحت صوبائی اسمبلیوں میں غیر مسلم اقلیتوں کو نمائندگی دی گئی ہے۔ بلوچستان میں ایک، سرحد میں ایک، سندھ میں دو اور پنجاب میں تین سیٹیں اور چھ اقلیتوں کے نام لکھے ہیں۔ عیسائی، ہندو، سکھ، پارسی، بدھ، اور شیڈول کاسٹ یعنی اچھوت۔ حزب اختلاف کے نمائندگان چاہتے تھے۔ ان چھ کی قطار میں قادیانیوں کو بھی شامل کیا جائے۔ تا کہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اس کے لیے حکومت تیار نہ تھی۔ اور ویسے بھی قادیانیوں کا نام اچھوتوں کے ساتھ پیوست پڑتا تھا۔ پیرزادہ نے کہا اس کو رہنے دیں۔ مفتی صاحب نے کہا کہ جب اور اقلیتی فرقوں کے نام فہرست میں شامل ہیں۔ تو ان کے نام بھی لکھ دیں۔ پیرزادہ نے جواب دیا کہ اور اقلیتی فرقوں کا مطالبہ تھا۔ جب کہ مرزائیوں کی ڈیمانڈ نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے کہا کہ یہ تو تمہاری تنگ نظری اور ہماری فراخ دلی کا

ثبوت ہے کہ ہم ان کو ڈیمانڈ کیے بغیر ان کا حق انھیں دے رہے ہیں۔ ۷؍ستمبر کو اسمبلی نے متفقہ فیصلہ سنانا تھا اور ۵؍ستمبر کی شام تک کمیٹی کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکی۔ چناں چہ ۶؍ستمبر کو مسٹر بھٹو نے مولانا مفتی محمود سمیت سب کمیٹی کے ارکان کو پرائم منسٹر ہاؤس بلایا۔ جہاں دو گھنٹے کی مسلسل گفتگو کے باوجود بنیادی نقطہ نظر پر کوئی اتفاق رائے کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ حکومت کی انتہائی کوشش تھی کہ آئین کے دفعہ ۱۰۶ میں ترمیم کا مسئلہ رہنے دیا جائے۔ جب کہ اپوزیشن سمجھتی تھی کہ اس کے بغیر حل ادھورا رہے گا۔ بڑی بحث و تمحیص کے بعد مسٹر بھٹو نے کہا کہ میں سوچوں گا۔ اگر ضرورت پڑی تو میں دوبارہ بلاؤں گا۔ عصر کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ پیرزادہ نے مفتی صاحب کو دیگر ارکان سمیت اسپیکر صاحب کے کمرے میں بلالیا۔ اپوزیشن نے اپنا موقف پھر واضح کیا کہ دفعہ ۱۰۶ میں چھ اقلیتی فرقوں کے ساتھ مرزائیوں کی تصریح کی جائے۔ اور بریکٹ میں ''قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ'' لکھا جائے۔ پیرزادہ نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو مرزائی نہیں کہتے احمدی کہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے کہ کہ احمدی تو ہم ہیں۔ ہم ان کو احمدی تسلیم نہیں کرتے پھر مفتی صاحب نے کہا کہ چلو ''مرزا غلام احمد کے پیرکار'' لکھ دو۔ پیرزادہ نے نکتہ اٹھایا کہ ''آئین میں کسی شخص کا نام نہیں ہوتا'' حال آں کہ دستور میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قائداعظم کے نام موجود ہیں۔ اور پھر سوچ کر بولے مفتی صاحب! مرزا کے نام سے دستور کو کیوں پلید کرتے ہو، پیرزادہ صاحب کا خیال تھا شاید مفتی اس حیلے سے ٹل جائیں۔ مفتی صاحب نے فوراً جواب دیا شیطان ابلیس خنزیر اور فرعون کے نام بھی تو قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اس سے قرآن پاک کی صداقت و تقدس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پیرزادہ لاجواب ہو کر کہنے لگے۔ ایسا لکھ دو جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں۔ مفتی صاحب کہتے ہیں میں نے کہا بریکٹ بند ثانوی درجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حرف وضاحت کے لیے ہوتا ہے۔ یوں لکھ دو ''قادیانی گروپ، لاہوری گروپ'' جو اپنے آپ کو احمدی کہلاتے ہیں، اور اس پر فیصلہ ہو گیا۔

تاریخی فیصلہ:

۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء ہماری پارلیمانی تاریخ کا وہ یادگار دن ہے۔ جب ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کے شہیدان ختم نبوت کا خون رنگ لایا اور ہماری قومی اسمبلی نے ملی اُمنگوں کی ترجمانی کی اور عقیدہ ختم نبوت کو آئینی تحفظ دے کر قادیانیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔

اس روز دستور کی دفعہ ۲۶۰ میں اس تاریخی شق کا اضافہ ہوا کہ:

> ''جو شخص خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط ایمان نہ رکھتا ہو۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی معنی و مطلب یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعوے دار ہو یا اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو۔ وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے ضمن میں مسلمان نہیں ہے۔''

دفعہ ۱۰۶ کی شکل کچھ یوں بنی:

> ''بلوچستان، پنجاب، سرحد اور سندھ کے صوبوں کی صوبائی اسمبلیوں میں ایسے افراد کے لیے مخصوص فاضل نشستیں ہوں گی، جو عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ اور پارسی فرقوں اور قادیانی گروہ یا لاہوری افراد (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) یا شیڈول کاسٹس سے تعلق رکھتے ہیں، بلوچستان ایک۔ سرحد ایک۔ پنجاب تین۔ اور سندھ دو۔''

ان دستوری ترامیم کے علاوہ یہ تین سفارشات آئیں:

(ا) تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ الف میں حسب ذیل تشریح درج کی جائے:

> ''کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ ۲۶۰ کی شق نمبر ۳ کی تصریحات کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف اقرار، عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا۔ تعزیرات پاکستان کی

اس دفعہ میں ۲ سال قید کی سزا موجود ہے۔“

(۲) متعلقہ قوانین مثلاً نیشنل رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں قانون سازی اور ضابطے کے ذریعے ترامیم کی جائیں۔

(۳) تیسری سفارش عمومی نوعیت کی تھی۔ جس میں دستور میں پہلے سے دی گئی ضمانت کو دہراتے ہوئے کہا گیا کہ:

”پاکستان کے تمام شہریوں خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں کے جان و مال آبرو اور آزادی اور بنیادی حقوق کا پوری طرح تحفظ اور دفاع کیا جائے گا۔“

یہ بات اسمبلی کے ریکارڈ پر ہے کہ اس ترمیم کے حق میں ایک سو تیس ووٹ آئے جب کہ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہ آیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ:

”اس فیصلے پر پوری قوم مبارک باد کی مستحق ہے۔ اس پر نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام میں اطمینان کا اظہار کیا جائے گا۔ میرے خیال میں مرزائیوں کو بھی اس فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اب انھیں غیر مسلم کے جائز حقوق ملیں گے۔“

مفتی صاحب نے مزید کہا کہ

”سیاسی طور پر تو میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ الجھے ہوئے مسائل کا حل بندوق کی گولی میں نہیں مذاکرات کی میز پر ہے۔“

پارلیمانی حزب اختلاف کی قیادت:

مولانا مفتی محمود کو جن حالات میں قومی اسمبلی کے اندر حزب اختلاف کی قیادت کرنا پڑی۔ ماضی میں شاید ہی کوئی قائد حزب اختلاف ایسے حالات سے دو چار ہوا ہوگا۔ ڈاکٹر نذیر، خواجہ رفیق، عبدالصمد اچکزئی اور مولانا شمس الدین ڈپٹی اسپیکر بلوچستان اسمبلی کو نامعلوم قاتلوں کی گولیاں اور بم چاٹ چکے تھے۔ فروری ۱۹۷۵ء

پشاور یونی ورسٹی میں ایک انتہائی طاقت ور بم کا دھماکہ ہوا۔ جس میں صوبہ سرحد کے سینئر وزیر اور پیپلز پارٹی کے صوبائی سربراہ حیات محمد خان شیرپاؤ اس کی نذر ہو گئے۔ ملک کے تمام سربرآوردہ سیاسی راہ نماؤں نے اس وحشیانہ قتل کی مذمت کی اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا۔ یہ تھے وہ حالات جس میں متحدہ حزب اختلاف کے قائد خان عبدالولی خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان حالات میں متحدہ حزب اختلاف کی نگاہ انتخاب مولانا مفتی محمود پر پڑی۔ اور انھیں قائم مقام قائد حزب اختلاف چنا گیا۔ مفتی صاحب نے جس ہمت اور تدبر کے ساتھ مسٹر بھٹو کا مقابلہ کیا۔ وہ قابل داد ہی نہیں قابل صد آفرین ہے۔ انھوں نے توازن شائستگی اور بردباری کے امتزاج کے ساتھ اپنے تدبر اور استقامت کا لوہا دوست تو دوست دشمن تک سے منوالیا اور آج ان کا کردار ہماری پارلیمانی تاریخ کا وہ روشن باب ہے جس پر آنے والی نسلیں یقیناً فخر کرتی رہیں گی۔